إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ ۔ عَسٰٓى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

غلام احمد قادیانی

تار کا پتہ
الفضل قادیان بٹالہ

نمبر ۱۳۵
رجسٹرڈ ایل

THE ALFAZL
QADIAN

اخبار ہفتہ میں تین بار
فی پرچہ تین پیسے

الفضل
قادیان

ایڈیٹر
غلام نبی

قیمت سالانہ پیشگی ۔۔
ششماہی للعہ
سہ ماہی عا

جماعت احمدیہ کا مسلمہ آرگن جسے (۱۹۱۳ء) میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ نے اپنی ادارت میں جاری فرمایا

نمبر ۱۹ | مورخہ ۱۸ اگست سنہ ۱۹۲۵ء | یوم سہ شنبہ | مطابق ۲۷ محرم الحرام سنہ ۱۳۴۴ھ | جلد ۱۳

مدینۃ المسیح

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بخیر و عافیت ہیں۔ اور نمازوں میں تشریف لاتے ہیں۔ اور حضور نے خطبہ جمعہ میں اعلان فرمایا کہ درس القرآن جو دو تین ہفتوں سے بوجہ پاؤں کی تکلیف کے ملتوی تھا۔ اب ہر سوموار و بدھ کو مسجد اقصیٰ میں حسب دستور دیا کرینگے۔

خاندان نبوت اور حضرت خلیفہ اول رضہ کے اہل و عیال میں بھی بفضلہ تعالیٰ خیریت ہے۔

جناب ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب بروز جمعرات شملہ تشریف لے گئے۔

جناب ایڈیٹر صاحب الفضل ایک ہفتہ کی رخصت پر اپنے وطن تشریف لے گئے۔

میر قاسم علی صاحب و ماسٹر عبد الرحیم صاحب نیر چک ۹۹ شمالی میں شمولیت جلسہ کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں سے جھنگ مگھیانہ بھی جائینگے۔ اور اسی علاقہ میں اگر کسی اور مقام پر کوئی جلسہ ہوا۔ تو اس جگہ بھی تشریف لے جائینگے۔

بدھ، جمعرات کو بھاری بارش ہوئی۔ اتنا سیلاب آیا کہ گذشتہ

احمدی مبلغ فلسطین میں

یکم جولائی کو بمبئی سے ہمارا جہاز روانہ ہوا۔ اور ۱۱ر جولائی کو سویز پہنچا۔ جہاز میں بھی چند اصحاب سے حضرت مسیح موعود کے دعاوی کے متعلق گفتگو ہوئی۔ جن میں سے تین عرب مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے۔ جناب سید زین العابدین شاہ صاحب نے بھی انہیں بعض مسائل کے متعلق سمجھایا۔ اور میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب استفتاء اور مواہب الرحمٰن سے ایک حصہ سنایا۔ ان میں سے ایک عالم تھا۔ وہ کہنے لگا۔ بہت عرصہ ہوا ہے احمد رضا خان بریلوی نے اس مدعی کے متعلق علماء مدینہ سے کفر کا فتویٰ طلب کیا تھا۔ جو کچھ اس نے لکھا تھا۔ اس بناء پر انہوں نے کفر کا فتویٰ دیدیا۔ مگر اصل بات یہ ہے۔ کہ انہوں نے خود مدعی کی کتب کا مطالعہ نہیں کیا آپ کو یہ کتابیں ضرور وہاں بھیجنی چاہئیں۔ انہوں نے بہت اصرار کیا۔ کہ یہ کتاب ضرور مجھے دیدیں۔ مگر ہمارے پاس اس کا کوئی اور نسخہ نہیں تھا۔ اکثر اسلامی اصول کی فلاسفی کے عربی ترجمہ کی ایک کاپی دی گئی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مجھ سے ضرور خط و کتابت جاری رکھیں۔

۱۳ر جولائی ہم بیت المقدس پہنچے۔ وہاں شاہ صاحب کے دوست اور شاگردوں سے ملاقات ہوئی۔ اور پھر وہاں کے مفتی اور بڑے بڑے علماء سے وفات مسیح اور حضرت مسیح موعود کے دعاوی اور مسئلہ نبوت پر دیر تک گفتگو ہوئی۔ وفات مسیح کو تو وہ جھٹ ماننے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ پھر میں نے حضرت مسیح موعود کا عربی قصیدہ مندرجہ آئینہ کمالات اسلام در مدح نبی کریم سنایا جس کو سنکر خوش ہوتے۔ یہاں کے علماء اور ہند کے علماء میں یہ فرق ہے۔ کہ ہندی علماء جلدی طیش میں آجاتے ہیں۔ اور اپنے خلاف بات سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔ مگر یہاں کے علماء نے نہایت اطمینان اور تسلی کے ساتھ ہماری باتیں سنیں۔ بیت المقدس سے ۱۶ر جولائی کو روانہ ہوئے۔ اور نابلس پہنچے۔ وہاں بھی چند علماء سے گفتگو ہوئی۔ شاہ صاحب گفتگو کرتے تھے۔ آپ نے انی متوفیک آیت پیش کی

تو ایک مولوی صاحب کہنے لگے۔ اس کے معنے تو وفات کے نہیں۔ میں نے تفسیر روح البیان سامنے نکالکر رکھدی کہ دیکھئے اس میں صاف لکھا ہے۔ انی ممیتک حتف انفک لا قتلاً بایدیھم۔ وہ دیکھکر سخت حیران ہوا۔ اسی طرح شاہ صاحب نے اختلاف علیتین کی حدیث پیش کی۔ تو نابلسی جو ایک بہت بڑے عالم ہیں۔ اور انہی کی ملاقات کے لئے ان کے مکان پر گئے تھے۔ وہ کہنے لگے ایسی حدیثوں کو ہم ردی میں پھینکتے ہیں۔ شاہ صاحب نے کہا کہ بخاری میں ہے۔ کہنے لگے بخاری میں نہیں۔ میں نے بخاری سے دو تین حدیثیں نکالکر دکھادیں۔

اسکے بعد قنیطرہ پہنچے۔ شام کا وقت قریب تھا۔ وہاں کے لوگوں نے ٹھیرنے کے لئے مجبور کیا۔ رات کو ان کے سلسلہ کے حالات دریافت کرنے پر پیغام حق پہنچایا گیا۔ قنیطرہ کے ایک شخص نے کہا۔ مجھے صرف نبوت کے متعلق شک ہے۔ شاہ صاحب نے نبوت کا مسئلہ سمجھایا۔ کہنے لگے۔ اگر نبوت سے یہ مراد ہے تو ایسا ہی ہو سکتا ہے۔

۱۷ جولائی ۱۹۲۵ء کو دمشق پہنچے۔ دو دن سنٹرال ہوٹل میں ٹھیرے۔ جہاں پچھلے سال حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ ٹھیرے تھے۔ شاہ صاحب کے یہاں بھی شاگرد اور دوست موجود ہیں۔ وہ ملاقات کے لئے آتے۔ ان سے سلسلہ کے متعلق گفتگو ہوئی۔ وزیر معارف سے ملاقات ہوئی۔

لوگوں کے زیادہ تر خیالات سیاست کی طرف مائل ہیں دین کی طرف سے بالکل غافل ہیں۔ لباس وغیرہ میں یورپ کا تمدن ان پر غالب آیا ہوا ہے۔ اشیاء نہایت گراں ہیں اور مکانوں کے کرایہ بھی بہت ہیں۔ دو چھوٹے سے کمرے لئے ہیں۔ جن کا ماہوار کرایہ چار پونڈ ہے۔

آخر میں درخواست ہے۔ کہ احباب اپنے غریب الوطن بھائیوں کے لئے ضرور دعائیں کرتے رہیں۔ ہم نہایت کمزور ہیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل شامل نہ ہو۔ اور اسکی قدرت کا ہاتھ ہماری تائید نہ کرے۔ تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ملک شام میں احمدیت کی اشاعت کے لئے درد دل سے دعا کریں ربنا تقبل منا انک انت السمیع الدعا ۔

والسلام ۔ خادم محتاج دعا۔

جلال الدین از دمشق ،

پتہ یہ ہے :-

دمشق۔ شام معرفت بدرالدین آفندی صفدی المحامی (بیرسٹر)

نزیلِ کریم ،

اس عنوان سے جریدہ الف بائے ہمارے احمدی مبلغین کا خیر مقدم جن الفاظ میں کیا ہے۔ ان کا ترجمہ درج ذیل ہے:-

"دو دن گذرتے ہیں کہ ہمارے شہر میں ایک بڑے فاضل تشریف لائے ہیں۔ جو پنجاب (ہندوستان) کے فضلاء میں سے ہیں۔ آپ کا اسم گرامی پروفیسر سید زین العابدین شاہ صاحب ہے۔ آپ پچھلے دنوں جنگ یورپ میں شاہی کالج کے وائس پرنسپل تھے اور اس سے پہلے قدس میں الکلیۃ الصلاحیہ الاسلامیہ میں زبان انگریزی و زبان اردو اور دینیات کی پروفیسری کر چکے تھے۔

یقیناً پروفیسر صاحب کے دوست اور شاگرد شش سالہ مفارقت کے بعد آپ کی اس غیر متوقع تشریف آوری اور ملاقات سے خوشوقت ہونگے اور نوجوان پارٹی کے احباب بھی آپ کو نہایت قابل مناظر اور سمجھدار بزرگ اور فیلسوف کبیر پائینگے۔ ایسے معزز و محترم کو ہماری طرف سے اہلاً و سہلاً و مرحبا ہو"

اخبار احمدیہ

تجارت و زراعت کے لئے نادر موقعہ

اگر کوئی دوست لاکھ کی تجارت کرنا چاہیں۔ تو مبلغ پچیس ہزار روپیہ کے سرمایہ سے یہ تجارت ایسی جگہ ہو سکتی ہے۔ جہاں مقابلہ نہیں ہے۔ اگر خواہشمند احباب اپنی جماعت کے سکرٹری امور عامہ کی معرفت ہم سے دریافت کرینگے۔ تو وہ جگہ اور دوسری معلومات بہم پہنچا دی جاوینگے (۲) کاشت کاری پیشہ دوست اگر پان کی کاشت کرنا چاہیں۔ تو پنجاب میں بھی کر سکتے ہیں۔ اس کے متعلق بھی خواہشمند اصحاب کو معلومات بہم پہنچائے جاوینگے۔ ناظر امور عامہ قادیان

وصیتیں منسوخ

(۱) میاں نبی بخش ولد نہالا قوم ارائیں ساکن کوٹلی ننگل متصل ضلع گورداسپور اور میاں کریم بخش ولد نبی بخش قوم ارائیں ساکن کوٹلی ننگل متصل ضلع گورداسپور ہر دو صاحبان نے مئی ۱۹۱۷ء میں اپنی آمدنی ماہواری کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کی۔ اور جائداد متروکہ کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی کی۔ مگر ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۵ء تک باوجود کئی بار کی یاد دہانیوں کے ہر دو موصیان نے اپنی اپنی وصیتوں پر عمل نہیں کیا یعنے حصہ آمد ادا نہیں کیا۔ اور نہ ہی اپنی وصیتوں کی تکمیل کرائی ہے۔ پس عدم پیروی میں ہر دو وصیتیں داخل دفتر کی جاتی ہیں۔ اور بذریعہ اخبار اعلان کیا جاتا ہے۔ فقط

والسلام - محمد سرور شاہ - افسر بہشتی مقبرہ - قادیان -

اعلان نکاح

شیخ فتح محمد ولد شیخ میاں بخش صاحب ساکن ہبی کا نکاح مسماۃ عائشہ بی بی بنت میاں محمود قوم راجپوت بھٹی ساکن کھر بیڑ سے بعوض مبلغ صمار روپیہ مہر پر جناب بابو محمد امیر صاحب جنرل سکرٹری انجمن احمدیہ فیروزپور نے ۲۶ جولائی ۱۹۲۵ء کو پڑھا۔ خداوند تعالیٰ بابرکت کرے۔

خاکسار مرزا محمد صدیق بیگ سکرٹری تبلیغ انجمن احمدیہ قصور

(۲) مورخہ یکم اگست ۱۹۲۵ء غلام محمد صاحب والد حافظ احمد دین صاحب ڈنگوی کا نکاح بعوض صمار روپیہ مہر آمنہ بیگم بنت میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں حضرت مولانا مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے پڑھا۔ احباب دعا فرماویں کہ خدا تعالیٰ اس نکاح کو فلاح دارین کا موجب کرے۔ آمین۔

مرزا مہتاب بیگ احمدیہ درزی خانہ۔ قادیان۔

ولادت

سید غلام حسین صاحب احمدی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کیٹل فارم حصار کے ہاں مورخہ ۸ اگست ۲۵ء بروز ہفتہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے لڑکا پیدا ہوا ہے جس کا نام مقصود احمد شاہ رکھا گیا۔ احباب عزیز کی درازی عمر اور خادم دین ہونے کے لئے دعا فرماویں ۔

(۳) خداوند کریم نے اپنے فضل و کرم سے بندہ کو ۱۳ جولائی بروز جمعۃ المبارک دوسرا فرزند عطا فرمایا ہے۔ اس خوشی میں کسی حقدار محتاج کے نام تین ماہ کے لئے اخبار الفضل جاری کروانا چاہتا ہوں۔ مہربانی فرماکر وی پی میرے نام کر کے اخبار جاری کر دیا جاوے۔ اور احباب دعا فرماویں۔ کہ خدا تعالیٰ بچہ کو عمر دراز۔ نیک۔ و بختاور اور خادم دین بنائے۔

مرزا معظم بیگ احمدی ارگلگت۔

(الفضل) ایسی خوشی کی تقریبوں پر دوسرے احباب بھی اگر اسی مسلک کو اختیار کیا کریں تو بہت سے نادار اشخاص جو قیمت اخبار ادا کرنے کی مقدرت نہیں رکھتے الفضل سے مستفید ہو سکیں

درخواست دعا

میں بعض مشکلات میں مبتلا ہوں۔ احباب دعا فرماویں کہ خدا تعالیٰ ان سے نجات بخشے۔

رونق حسن خان احمدی رائے سینہ۔ دہلی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفضل

قادیان دارالامان - ۱۸ اگست ۲۵ء

احمدی طلباء کو نصائح

— فرمودہ —

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ

یہ تقریر حضور نے طلبائے ہائی سکول و مدرسہ احمدیہ کے رخصتوں پر جانے کے موقعہ پر ۴ر اگست کو بعد از نماز عصر مسجد مبارک میں فرمائی۔ حضور نے فرمایا:۔

اس وقت جو دونوں سکولوں کے طالب علم جمع ہوئے ہیں۔ اس کی غرض یہ ہے کہ چونکہ اکثر طلباء جو اپنے اپنے گھروں میں ایام رخصت گذارنے کے لئے جانیوالے ہیں۔ اس لئے منتظمین مدارس نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں طلباء کے جانے سے پہلے انہیں کچھ نصائح کروں جو ان کے لئے ان چھٹیوں میں مفید ثابت ہوں۔ پس میں اپنے ان بچوں کی توجہ اس طرف پھیرنی چاہتا ہوں۔ کہ ہر ایک لفظ جو مُنہ سے بولا جاتا ہے۔ اس کے دو معنے ہوتے ہیں۔ ایک معنے اس کی ذات میں ہوتے ہیں۔ اور دوسرے نسبت سے۔

ہمارے بچے خوش ہیں۔ کہ اب انہیں رخصتیں ملی ہیں۔ کیونکہ یہ ان کی فطرت میں ہے کہ وہ ایسی باتوں سے خوش ہوں۔ جن سے انہیں پڑھنے سے فرصت مل جائے۔ اور پھر ان کی محبت اور چیزوں کے ساتھ بھی ہے۔ ان کے دلوں میں رشتہ داروں کی محبت ہے۔ ماں باپ کی محبت ہے۔ دوستوں کی محبت ہے۔ اور یہ محبت کا ہونا درست ہے۔ بُرا نہیں۔ بلکہ سارا کارخانہ ہی محبت پر ہے اور وہ اس لئے بھی خوش ہوتے ہیں۔ کہ وہ ان لوگوں کو اب ملیں گے۔ پس اگر چھٹیوں سے خوش ہوں۔ تو جائز ہے

رخصت کا مطلب لیکن اس محبت سے یا اس خوشی سے وہ غلطی سے رخصت کا مضمون غلط نہ سمجھ لیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں۔ کہ پہلے ان کو رخصت کے معنے بتاؤں۔ رخصت کے معنے ہیں اجازت کسی کو کسی کام کے لئے اجازت دینا یہ رخصت ہے۔ اور تعطیل کام کو بند کر دینا ہے۔ ہمارے اور دوسرے بچے ان الفاظ سے غلطی کھا جاتے ہیں۔ اور بہت سے ان میں سے رخصتوں سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جب تعطیل ہوگئی تو اس کے یہ معنے ہیں۔ کہ اب کوئی کام کرنا ہی نہیں۔ اور رخصت سے یہ سمجھتے ہیں۔ جو دل کرے۔ کرو۔ بلکہ یہاں تک کہ وہ نماز کی بھی رخصت منا لیتے ہیں۔ ایسے لڑکے رخصت صرف اس بات کی نہیں سمجھتے۔ کہ سکول کو چھوڑ کر گھروں کو چلے۔ بلکہ اس کی بھی سمجھتے ہیں۔ کہ جو چاہیں۔ سو کریں۔ دنگہ فساد کریں۔ آوارہ پھریں۔ لوگوں کو تنگ کریں۔ ہر ایک کے ساتھ لڑیں۔ جھگڑیں۔ لیکن تعطیل اور رخصت کے یہ معنے نہیں۔ بلکہ اسکے کچھ اور معنے ہیں۔ دیکھو سکول سے ہر روز تعطیل ہوتی ہے۔ لیکن سکول کے وقت کے بعد جو چھٹی ہوتی ہے۔ اس کے یہ معنے نہیں ہوتے کہ اس کے بعد کوئی کام کرنا نہیں۔ بیشک اس چھٹی کے وقت وہ کام تو نہیں کرنا پڑتا۔ جو سکول میں ہوتا ہے۔ لیکن اور کام ہوتا ہے۔ جو اس چھٹی کے وقت کا ہے۔ مثلاً کپڑوں کا صاف کرنا ہے۔ جسم کا صاف کرنا ہے۔ قوت اور طاقت کی بحالی کے لئے ورزش کرنا ہے۔ نمازوں کا پڑھنا ہے۔ دوستوں اور ہمسایوں اور رشتہ داروں کی خدمت کرنا ہے۔ اُستاد جو گھر پر کرنے کے لئے کام دے۔ اسے کرنا ہے۔ یہ سارے چھٹی کے کام ہیں۔ جو سکول کے وقت میں نہیں ہوسکتے بلکہ اس وقت کے ہوتے ہیں۔ جسے بچے چھٹی کہتے ہیں اس چھٹی سے مراد مدرسہ سے چھٹی ہے۔ نہ کہ ہر کام سے چھٹی۔ ایک طالب علم اگر چھٹی ملنے کے بعد مدرسہ سے گھر جاتا ہے۔ تو گھر جاکر وہ یہ نہیں کہتا کہ مجھے چھٹی ہے اسلئے میں کوئی کام نہیں کرتا۔ مثلاً اگر اس کا بھائی بیمار ہے۔ اور اسے کہا جائے۔ کہ اس کے لئے دوائی لے آؤ تو وہ یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ میں دوائی لانے نہیں جاتا۔ کیونکہ مجھے اسوقت چھٹی ہے۔ ایسا ہی اگر باپ اسے کوئی کام بتائے یا ماں اسے کسی جگہ بھیجنا چاہے۔ تو وہ یہ کہہ کر کہ مجھے چھٹی ہے۔ اس سے چھٹکارا نہیں پاسکتا۔ اسی طرح وہ اس کام سے۔ جو سکول سے اسے گھر پر کرنے کے لئے ملتا ہے۔ یا نماز سے یا دوسرے ایسے ہی کاموں سے جو سکول کے وقت میں نہیں کئے جاسکتے۔ اس حیلہ سے نہیں بچ سکتا۔ پس باوجود چھٹی کے وہ کام تو کریگا لیکن وہی جو چھٹی کے وقت کے کام ہیں۔ پس جو بچے رخصتوں پر جاتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ ان کے ذمہ رخصتوں کے بھی کام ہیں۔ کچھ تو ان کے وہ کام ہیں۔ جو سکول سے ان رخصتوں میں گھر کرنے کے لئے ملے ہیں۔

تبلیغ کا کام پھر اسکے سوا اور کام بھی ہیں۔ جو مدرسہ کے وقت میں نہیں کرسکتے تھے۔ لیکن رخصتوں میں ان کے لئے موقعہ ہوتا ہے۔ ان کاموں میں سے ایک کام نہایت ہی اہم ہے۔ وہ تبلیغ کا کام ہے۔

تبلیغ کا کام تم سکول کے وقت میں نہیں کرسکتے تھے۔ کیونکہ سکول میں اس کے لئے کوئی موقعہ نہیں تھا۔ اور پھر سکول سے باہر بھی تم نہیں کرسکتے تھے۔ کیونکہ تم احمدیوں میں رہتے تھے۔ اور دن رات انہیں کے ساتھ تمہارا میل جول تھا۔ ان میں تم تبلیغ نہیں کرسکتے تھے۔ تمہارا تبلیغ کے لئے یہ چھٹی کا زمانہ تھا۔ گویا ساڑھے دس ماہ تبلیغ کی طرف سے تمہیں چھٹی تھی۔ لیکن اب تبلیغ کا کام ان چھٹیوں میں ہے پس میں اپنے بچوں کو توجہ دلاتا ہوں۔ کہ ان چھٹیوں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔ اور یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ سکول سے چھٹی کے یہ معنے ہیں۔ کہ ہر کام سے ہی چھٹی ہوگئی۔ چونکہ دوسرے دنوں میں تمہارے لئے تبلیغ کا موقع نہیں تھا۔ اب موقع ہے۔ اس لئے میں تمام بچوں کو نصیحت کرتا ہوں۔ کہ سفر میں اور حضر میں۔ گھر میں اور بازار میں۔ جہاں جائیں۔ تبلیغ کریں۔

بچوں کی تبلیغ کا اثر یہ مت سمجھو کہ تمہاری بات کا اثر کیا ہوگا۔ اور یہ کہ تم ابھی بچے ہو تمہارا بڑوں پر کیا اثر پڑے گا۔ یہ ایک غلط خیال ہے اس کو دل سے نکال دینا چاہیئے۔ اور ابھی سے دل میں اس بات کو جگہ دینی چاہیئے۔ کہ ہم کچھ کرسکتے ہیں۔ جب تک یہ بات پیدا نہ ہو۔ جو بچے کچھ کر بھی سکتے ہیں۔ وہ بھی کچھ نہ کرسکیں گے۔ یہ مت سمجھو کہ تمہاری بات کا اثر نہیں۔ اثر ہو نہ ہو۔ تمہارا کام کہنا اور سمجھانا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مُنہ سے جن لوگوں نے تبلیغ سُنی وہ سب کے سب اسلام نہ لائے۔ مگر انہی میں سے بعض نے صحابہ سے سُنی۔ تو ایمان لے آئے۔ سو یہ مت خیال کرو تمہاری بات کا کچھ اثر نہیں۔ تم سناؤ۔ یہ ضروری نہیں کہ سُننے والا ایمان بھی لے۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ تبلیغ کسی بڑے آدمی کے مُنہ سے ہی سنی جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہزاروں آدمیوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا اور نہ مانا۔ اور دوسروں سے سُنا اور مانا۔ یہی حال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت ہوا۔ بیسیوں شخص آئے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے

ان کے دعاوی و دلائل سُنے۔ لیکن مانا نہیں۔ اور بیسیوں نے غیروں سے سُنا اور مان لیا۔ پس تبلیغ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ انسان بڑا ہی ہو۔ تو تبلیغ کرے۔ بلکہ چھوٹی عمر میں بھی ایسی باتیں کر سکتا ہے۔ جو مؤثر ہوں ؎

امام ابوحنیفہؒ کا واقعہ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں:۔ ان سے کسی نے پوچھا۔ آپ پر بھی کسی کے وعظ کا اثر ہوا ہے فرمایا۔ اِتنا نہیں جتنا کہ ایک آٹھ نو برس کے بچے کا ہوا ہے فرمانے لگے۔ ایک دن بارش کے وقت میں گھر سے نکلکر بازار کو جا رہا تھا۔ بارش کے سبب کیچڑ ہو رہا تھا جس میں ایک بچہ دوڑ رہا تھا۔ مَیں نے اسے کہا بچے ذرا سنبھل کر چلو گر نہ جانا۔ اس نے جواب دیا۔ امام صاحب! آپ سنبھل کر چلئے۔ میں گر گیا تو میں ہی گروں گا۔ آپ اگر گر گئے۔ تو لاکھوں گرینگے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس بچے کی بات کا مجھ پر بڑا اثر ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے ماننا ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا۔ کہ کون مجھ سے کہہ رہا ہے۔ بلکہ وہ یہ دیکھتا ہے کہ کیا بات کہہ رہا ہے اگر بات معقول ہو۔ تو فوراً مان لیتا ہے۔ اب اسی واقعہ کی طرف دیکھو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو اسے گرنے کا لفظ کہکر کیچڑ میں پھسلنے کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن اس نے گرنے کا لفظ بولکر عقائد اور مسائل میں غلطی کرنا مراد لیا۔ اور یہ ایسا برجستہ جواب تھا۔ کہ امام ابوحنیفہؒ جیسے شخص کے دل پر بھی اثر کر گیا۔ آخر یہ لڑکا ہی تو تھا جس نے یہ کہا تھا۔ پس تم اپنی عمر یا اپنے علم یا کسی اور وجہ سے حق بات کہنے سے مت جھجکو۔ تم جس بات کو حق سمجھتے ہو۔ وہ کہو۔ جن لوگوں کے اندر سچائی کی تڑپ ہوگی اور صداقت کے ساتھ پیار ہوگا۔ وہ ضرور قبول کرینگے۔ ایسے اشخاص یہ دیکھتے ہیں۔ کہ بات میں صدق اور راستی ہے یا نہیں۔ اور یہی امر ان کے ماننے کا سبب بنتا ہے۔ اگر بات میں راستی ہو۔ اور کہنے والا صدق سے کہتا ہو۔ تو ایسے لوگ ماننے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔

کام کرنے کا عزم ہو

پس تم میں سے کوئی یہ مت سمجھے میں کیا کر سکتا ہوں۔ بلکہ ہر ایک کو یہ خیال ہونا چاہیئے۔ کہ میں بھی کام کر سکتا ہوں اور یاد رکھو۔ جب تک یہ احساس پیدا نہ ہوگا۔ تم کچھ بھی نہ کر سکو گے۔ حتےٰ کہ اس عمر میں بھی کچھ نہ کر سکو گے جس عمر کے متعلق تم امید لگائے بیٹھے ہو۔ کہ جب وہاں تک پہنچیں گے تو کرینگے۔ میرا تجربہ ہے۔ جو بچہ اس بات کو سمجھکر کہتا ہے۔ کہ وہ بچہ ہے وہ تمام عمر ہی بچہ رہتا ہے۔ اور کچھ نہیں کر سکتا۔ ایک تو وہ بچہ ہوتا ہے جو اں باپ کا سکھایا ہوا کہتا ہے کہ میں ابھی چھوٹا ہوں اس کا ذکر نہیں۔ لیکن جو اپنے قصور اور غلطی سے یہ کہکر بری ہونا چاہتا ہے کہ میں ابھی بچہ ہوں۔ وہ بڑا ہو کر بھی کوئی مفید کام نہیں کر سکتا۔ ہمارے ملک میں یہ ایک بد عادت ہے۔ کہ اگر کسی کا بچہ قصور کرے۔ اور اسکی شکایت والدین سے کی جائے۔ تو وہ یہ کہدیتے ہیں کہ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ بچہ ہے۔ بڑا ہوگا تو آپ ہی ان باتوں کا اسے پتہ لگ جائے گا۔ مگر اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے۔ کہ وہ بچہ بھی ایسے موقعوں پر کہنے لگ جاتا ہے۔ میں تو ابھی بچہ ہوں۔ جب بڑا ہوں گا تو ایسا نہیں کروں گا۔ حالانکہ جب وہ شرارت کر سکتا ہے۔ اور اسپر اپنے آپ کو بچہ کہکر پردہ ڈالنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ وہ نیک کام نہیں کر سکتا۔ کر سکتا ہے۔ مگر یہ بات اسکے دل میں نہیں ڈالی جاتی پس ضروری ہے۔ کہ بچوں میں یہ بات کا احساس پیدا ہو۔ کہ ہم سب کچھ کر سکتے ہیں جس وقت یہ احساس پیدا ہو جائے۔ تو بچے چھوٹی عمر میں بھی بڑے بڑے کام کر سکتے ہیں۔ کیونکہ کام کرنے کی اہلیت تو ان میں ہوتی ہے لیکن وہ اس خیال سے نکمے بنے رہتے ہیں۔ کہ ہم ابھی بچے ہیں۔ پس یہ غلط بات ہے۔ کہ کوئی کچھ کام نہیں کر سکتا۔ اور کہ وہ ابھی بچہ ہے۔ اگر وہ بد کام کر سکتا ہے۔ تو نیک کام بھی کر سکتا ہے۔ ہم یہ کیونکر مان لیں کہ خدا نے بدی کی طاقت تو اس میں رکھی ہے لیکن نیکی کی نہیں رکھی۔ یہ تو وہ کر سکتا ہے کہ چوری کرے بدی کرے۔ گالی دے۔ کسی کو تھپڑ مارے۔ کسی کو تنگ کرے کسی پر ظلم کرے۔ کسی کا ناحق نقصان کرے۔ لیکن یہ نہیں کر سکتا کہ نماز پڑھے۔ چوری نہ کرے۔ کسی کو نقصان نہ پہنچائے۔ اگر بچے عیب اور بدیاں کر سکتے ہیں تو نیکیاں بھی کر سکتے ہیں پس میں اپنے بچوں کو پھر کہنا چاہتا ہوں کہ یہ مت سمجھو۔ ہم کچھ کر نہیں سکتے۔ بہت کام ہیں۔ جو تم کر سکتے ہو۔ لیکن کرنے کے لئے احساس اور عزم ہونا چاہیئے۔ تم یہ نہ سمجھو۔ کہ تمہارے کرنے کے لئے کوئی کام نہیں۔ تمہارے کرنے کے لئے تو بہت کام ہیں۔ لیکن اس احساس کو پیدا کرو۔ کہ تم نے کام کرنا ہے۔ اور تم کام کرسکتے ہو۔ مت اس بات کا خیال نہ کرو کہ تم بچے ہو۔ اور تم کچھ کر نہیں سکتے ؎

حضرت یوسفؑ کے بچپن کے کارنامے

دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام بچپن کے وقت ہی گھر سے بے گھر ہوئے۔ ملک سے بے ملک ہوئے۔ لیکن ہر مقام پر اپنی عقل اور سمجھ سے کامیابی حاصل کرتے رہے۔ انہوں نے کبھی بھی یہ خیال نہ کیا کہ میں کچھ کر نہیں سکتا اور کبھی اپنے عزم اور کام کرنے کے احساس کو ضائع نہ ہونے دیا۔ سب سے پہلے تو انہوں نے یہ کیا کہ بھائی جب مارنے لگے تو ان کو رام کر لیا۔ اور وہ جو قتل کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ زندہ کنوئیں میں ڈالکر چلے گئے۔ ادھر ایک قافلہ والوں نے جب انہیں کنوئیں سے نکالا تو انہیں ایسا گرویدہ بنالیا کہ انہوں نے سمجھا کہ یہ بہت قیمتی چیز ہے اسے ضائع نہیں کرنا چاہیئے ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ انہوں نے سمجھ لیا اس سے ہمیں بہت فائدہ حاصل ہوگا۔ اور وہ انکی بیحد قدر کرنے لگ گئے۔ پھر دیکھو مصر میں جاکے اس شخص کو رام کر لیا۔ جس کے ہاتھ بکے۔ وہ ان پر ایسا لٹو ہوا کہ اس نے آپ کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ پھر قید خانہ میں جاکر قیدیوں کو رام کر لیا۔ قیدی چونکہ عموماً مجرم ہوتے ہیں۔ اس لئے قید خانہ میں خواہ کوئی کتنا ہی شریف اور معزز کیوں نہ جائے۔ وہ اسے بھی مجرم ہی سمجھتے ہیں لیکن حضرت یوسفؑ کے معاملے میں قیدی ایسا نہیں کرتے۔ ان سے عزت کے ساتھ پیش آتے۔ اور ان کا ادب کرتے۔ اور ان سے اپنی خوابوں کی تعبیریں پوچھتے ہیں۔ پھر جب قید خانہ سے نکلکر بادشاہ کے سامنے آتے۔ تو اسے بھی رام کر لیتے ہیں۔ اس سے اپنی ہی بات منواتے ہیں۔ چنانچہ قید سے نکلکر کل خزانوں کی چابیاں لیں۔ پھر کامل اختیار مانگتے ہیں۔ وہ بھی مل جاتے ہیں۔ غرض جس مجلس میں گئے۔ اپنا اثر ڈالتے رہے۔ اور یہ جو کچھ بھی انہوں نے کیا۔ چھوٹی عمر میں ہی کیا جسے ہمارے ہاں کے بچے یہ کہکر رائگان گنوا دیتے ہیں کہ ہم ابھی بچہ ہیں ؎

حضرت علیؓ کی مثال

ایسا ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مثال ہے۔ انہوں نے بھی بچپن میں بڑے بڑے کام کئے۔ ایک موقعہ پر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے رشتہ داروں کو جمع کر کے کہا۔ کہ کوئی ہے۔ جو میری مدد کرے۔ تو حضرت علی رضؓ جن کی اسوقت گیارہ سال کی عمر تھی بچپن کا عالم تھا۔ مگر فوراً بول اُٹھے۔ میں مدد کرونگا۔ اگر اسوقت بھی سوال یہاں کیا جائے۔ تو مَیں سمجھتا ہوں۔ یہاں بھی تین تین چار چار سال کے بہت سے بچے کھڑے ہو جائینگے جو یہ کہیں گے کہ ہم کرینگے۔ لیکن حضرت علیؓ نے صرف کہدیا ہی نہیں دیا تھا۔ انہوں نے گیارہ سال کی عمر میں جو بات کہی۔ وہ سوچ سمجھکر کہی۔ اور ساری عمر اسپر عمل پیرا رہے۔ ان کے سامنے لوگوں کی دشمنی بھی تھی اور مخالفوں کی مخالفت بھی تھی۔ اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس راہ میں مصیبتیں اور تکلیفیں ہیں۔ لیکن باوجود اسکے انہوں نے یہ کہا کہ میں مدد کروں گا۔ اور پھر آئندہ عمر میں اسے پورا بھی کر دکھایا چنانچہ ہر خطرہ اور ڈر کے موقعہ پر انہوں نے اپنے آپکو پیش کیا۔ اور یہ سب اس احساس اور عزم کا نتیجہ تھا۔ جو انہیں بچپن میں پیدا ہوا تھا ؎

پس یاد رکھو۔ عمر کوئی چیز نہیں۔ نیت چیز ہے۔ جب انسان نیت کرے۔ تو پھر سب کچھ کرسکتا ہے۔ عمر خواہ چھوٹی ہو۔ خواہ بڑی۔ پھر وہ کسی کام کے کرنے سے ہرگز نہیں جھجکتا ؛

ابن ابی لیلیٰ کا ذکر

خلفائے کرام کے زمانہ کا ایک واقعہ ہے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ کوفہ کے لوگ بڑے شورش پسند تھے۔ ہر وقت شرارتیں کرتے رہتے تھے۔ اور گورنروں کو تنگ کرکے نکال دیتے تھے قاضیوں کو بھی تنگ کیا کرتے تھے۔ اس وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بار بار قاضی اور گورنر بدلنے پڑتے تھے۔ آخر حضرت عمرؓ نے کہا۔ اب میں ایسا آدمی بھیجوں گا۔ وہ سیدھے ہو جائینگے چنانچہ انہوں نے بائیس سال کی عمر کے ایک نوجوان ابن ابی لیلیٰ کو بھیجدیا۔ اہل کوفہ نے سمجھا۔ کہ خلیفۂ وقت نے جو یہ گورنر بھیجا ہے تو تمسخر اور ہنسی کی ہے۔ ہم بھی اس سے تمسخر ہی کریں۔ اس خیال سے رؤسا اور عمائدین سب لوگوں کے قائم مقام بن کر شہر سے باہر استقبال کے لئے آئے۔ اور باتوں باتوں میں پوچھا آپ کی عمر کیا ہے۔ یہ انہوں نے طنزاً کہا۔ کیونکہ اس سے ان کی یہ غرض تھی۔ کہ ان کو جتادیں۔ کہ یہاں تو بڑے بڑے عمر اور تجربہ کار آدمی بھی نہیں ٹھہر سکے۔ اور آپ تو ابھی بچہ ہیں۔ آپ کی کیا حقیقت ہے کہ ٹھہر سکینگے اور کچھ کرسکیں گے۔ اگر کوئی سیدھا سادھا آدمی ہوتا تو کہہ دیتا میں بائیس سال کی عمر کا ہوں۔ مگر ابن ابی لیلیٰ اس بات کو تاڑ گئے۔ کہ یہ طنز کر رہے ہیں۔ اور پھر ایسا دندان شکن جواب دیا۔ کہ وہ سمجھ گئے۔ اس کا مقابلہ آسان نہیں ؛

حضرت اسامہ کا ذکر

آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وقت اسامہ بن زید ایک نوجوان صحابی تھے۔ جو حضرت زید کے بیٹے تھے۔ حضرت زید غلام ہو گئے تھے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا تھا اور اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ جن سے آپ کو بہت محبت تھی۔ وہ ایک لشکر کے سردار مقرر کئے گئے۔ جب وہ مارے گئے۔ تو اس لشکر کی سرداری آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے بیٹے اسامہ کو دی۔ لیکن آپ کی وفات کی وجہ سے وہ لشکر نہ جاسکا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے اسے سر لشکر مقرر کرکے رومیوں کے مقابلہ پر بھیج دیا۔ رومیوں کی طاقت بڑی زبردست تھی۔ اس لئے ادھر سے بھی جو لشکر گیا۔ وہ بھی بڑا بھاری تھا۔ جس میں بڑے بڑے صحابہ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بھی شامل تھے اسامہؓ کی عمر اس وقت بیس سال کی تھی۔ لیکن انہوں نے بڑی دانائی اور دلیری کے ساتھ لشکر کی کمان کی۔ اور رومیوں کے لشکر کا مقابلہ کیا۔ اور ان کو شکست دی۔ ابن ابی لیلیٰ چونکہ تاڑ گئے تھے۔ کہ یہ لوگ مجھ پر طنز کر رہے ہیں۔ اس لئے انہوں نے کہا۔ میری عمر اسامہ سے دو سال بڑی ہے۔ جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ اگر بیس سال کی عمر میں اسامہ اتنے بڑے لشکر کی کمان کرسکتا ہے۔ اور رومیوں جیسے دشمن کو شکست دے سکتا ہے۔ تو ابن لیلیٰ بھی جو اسامہ سے دو سال بڑا ہے۔ کوفیوں پر حکومت کرسکتا ہے۔ اور ان کو درست کرسکتا ہے۔ یہ سن کر وہ چپ ہو گئے۔ اور سمجھ گئے۔ کہ اس کا مقابلہ آسان نہیں چنانچہ جتنا عرصہ وہ وہاں رہے کسی نے سر نہ اٹھایا۔ اور انہوں نے نہایت دلیری اور عقلمندی سے کام کیا۔ اور ان کی قضاء کے واقعات اتنے مشہور ہیں۔ کہ انگریزوں کے ملک میں بھی ان کی قضاء کے قصے بعض ریڈروں میں بھی درج ہیں۔ یورپ کے لوگ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو اتنا نہیں جانتے۔ جتنا ابن ابی لیلیٰ کو جانتے ہیں۔ غرض جتنا عرصہ وہ کوفہ میں رہے۔ ان کے سامنے کوئی نہ آیا ؛

یہ اس قسم کے واقعات ہیں۔ کہ ان سے سبق سیکھنا چاہیئے۔ اور بچوں کو چاہیئے۔ کہ ابھی سے اپنے اندر یہ احساس پیدا کریں۔ کہ ہم سب کچھ کرسکتے ہیں۔ ورنہ وہ بڑے ہو کر بھی کچھ نہ کرسکیں گے ؛

ہالینڈ کے ایک لڑکے کا ذکر

انگریزی کی ریڈروں میں ہالینڈ کے ایک لڑکے کا حال بیان کیا گیا ہے۔ جو ایک غریب عورت کا اکیلا تھا۔ اسے اکثر اوقات گھر کے کام کاج کے سبب سکول میں جانے سے دیر ہو جاتی تھی۔ جس پر اسے استاد مارتے بھی تھے۔ مگر جب اسے مار پڑتی یا کوئی اور سزا ملتی تھی۔ تو اگرچہ وہ گھر کے کام کو بطور عذر پیش تو کرسکتا تھا۔ لیکن وہ سوچتا۔ کہ سکول کے لئے یہ کوئی جواب نہیں۔ اس لئے چپ ہو رہتا۔ اور ماں سے بھی کچھ نہ کہتا کیونکہ وہ شریف اور فرمانبردار لڑکا تھا۔ ایک دن اسی وجہ سے ماسٹر نے اسے کہا۔ تم بہت شریر ہو۔ روز دیر کرکے آتے ہو آج تمہیں یہ سزا دی جاتی ہے۔ کہ سکول کے بعد دو گھنٹہ ٹھہر کر کام کرو۔ چنانچہ اس دن اس نے دو گھنٹے زائد کام کیا جب اسے چھٹی ہوئی۔ تو شام کا وقت تھا۔ جغرافیہ پڑھنے والے لڑکے جانتے ہیں۔ ہالینڈ کا ملک سطح سمندر سے نیچا ہے۔ اس لئے سمندر کی طرف بند باندھے ہوئے ہیں۔ اگر وہ بند ٹوٹ جائیں۔ تو سمندر کا پانی ملک میں آجائے۔ اور سب کچھ تباہ ہو جائے۔ اسی خطرہ کی وجہ سے اس ملک کے لوگوں نے گھروں میں کشتیاں رکھی ہوئی ہیں۔ تاکہ جب طوفان آئے یا بند ٹوٹ جائے۔ تو اپنے آپ کو بچا سکیں۔ سکول جانے کے لئے اس بند کے اوپر سے راستہ گذرتا تھا۔ یہ لڑکا شام کو جب اسے چھٹی ہوئی۔ گھر آنے کے لئے بند کے اوپر سے آرہا تھا۔ تو اسے ایک جگہ کچھ بلبلے سے اٹھتے دکھائی دیئے۔ جو بند کے ساتھ اٹھ رہے تھے۔ اور بہت باریک سوراخ نظر آیا۔ یہ کھڑا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ مگر اس کے دیکھتے دیکھتے وہ سوراخ اور بڑا ہو گیا۔ اب وہ سوچنے لگا۔ کہ اگر میں گاؤں میں جاکر لوگوں کو اطلاع دیتا ہوں۔ تو یہ اور بھی بڑا ہو جائیگا۔ اور ممکن ہے بند ٹوٹ ہی جائے۔ اس لئے اس نے خود اس کے بند کرنے کی کوشش کی۔ مگر کارگر نہ ہوئی۔ آخر اس نے اپنی انگلی اس میں ڈال دی۔ مگر تھوڑی دیر میں وہ سوراخ ہاتھ کے برابر ہو گیا۔ پھر اس نے اپنا بازو ڈال دیا۔ اور اسی طرح وہ پانی کو روکے رہا۔ اتفاق ایسا ہوا۔ کہ کوئی شخص ادھر نہ آیا۔ لیکن وہ اس سے گھبرایا نہیں۔ اور بدستور اس کو بند کئے کھڑا رہا۔ حتیٰ کہ رات ہو گئی وہ پھر بھی نہ گھبرایا۔ اور اسی طرح اسے بند کئے رہا۔ صبح کے وقت ایک چرواہا ادھر آیا۔ چرواہے کی جب ادھر نظر پڑی۔ تو اس نے سمجھا۔ کہ کوئی مردہ پڑا ہے۔ کیونکہ سخت سردی تھی۔ وہ لڑکا ٹھٹھر گیا تھا۔ جب وہ اس کے قریب آیا۔ تو لڑکے نے بڑی مشکل سے اسے بتایا۔ کہ بند ٹوٹا ہوا ہے۔ اس کی مرمت کرو اس پر اس چرواہے نے شور مچایا۔ اور لوگوں کو جمع کرکے اس سوراخ کو بند کر دیا۔ اس طرح اس لڑکے نے اپنے علاقہ کے لوگوں کی جان بچائی۔ کتنے بچے ہیں۔ جو اس طرح کے کام کرتے ہیں۔ یا کتنے بچے ہیں۔ جنہیں ایسی باتوں کو دیکھکر اس قسم کے کاموں کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ بچوں کو چاہیئے۔ کہ کام کرنے کا عزم پیدا کریں۔ اور پھر موقعہ اور محل کو دیکھکر اس کے مطابق کام کرنے کی ہمت دکھائیں۔ یہ اتفاقی بات تھی کہ وہ بچ گیا۔ ورنہ وہاں سردی اتنی سخت ہوتی ہے۔ کہ انسان ہلاک ہو جاتے ہیں۔ مگر اس نے اس کی کچھ پروا نہ کی۔ اور جو کام کرنے کا اس نے ارادہ کیا تھا۔ اسے کرکے چھوڑا ؛

نپولین کا ذکر

ایک اور مثال بھی ایسی ہے۔ جو میں اس کے بیان کرنے سے رُک نہیں سکتا۔ وہ مشہور مثال ہے۔ جو نپولین سے متعلق ہے۔ نپولین کورسیکا کا رہنے والا تھا۔ جس طرح آج کل ہندوستان انگریزوں کے ماتحت ہے اسی طرح جزیرہ کورسیکا فرانس کا مقبوضہ تھا۔ اور فرانس ہی کا قانون وہاں چلتا تھا۔ اور جس طرح انگریز ہندوستانیوں کو محکوم ہونے کے سبب حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں۔ اسی طرح فرانسیسی بھی کورسیکن کو حقیر و ذلیل سمجھتے تھے۔ نپولین ایک غریب کا لڑکا تھا۔ مگر چھوٹی عمر میں ہی مصنوعی ہتھیاروں سے کھیلا کرتا تھا۔ وہ اصلی ہتھیار تو بہم نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اور نہ ہی اس کی عمر اتنی تھی۔ کہ وہ ان کے ساتھ کھیلتا۔ اس لئے وہ لکڑی یا کسی اور چیز سے اسی قطع وضع کے ہتھیار بنا لیتا۔ اور ان کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ اسکے لکڑی کی ایک چھوٹی سی تلوار بنائی ہوئی تھی۔

جسے وہ ہمیشہ اپنے ساتھ لٹکائے رکھتا تھا۔ حتّٰی کہ سکول بھی جاتا تو اسے اپنے ہمراہ لے جاتا۔ فرانس کے لڑکے اس پر ہنستے اور اسے Little Corsican "چھوٹا کارسیکن" "حقیر کارسیکن" "بزدل کارسیکن" کہا کرتے تھے۔ جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ ملک تو تمہارا غلام ہے۔ اور تم یوں تلوار لٹکائے پھرتے ہو۔ مگر وہ خاموش رہتا۔ اور جب فرانسیسی لڑکے اسے بہت تنگ کرتے۔ دس دس بارہ بارہ مل کر اس کے پیچھے پڑ جاتے۔ تو ان لڑکوں کا شاید یہ خیال ہو۔ کہ نپولین یا تو رو پڑے گا۔ یا اگر ہم سے الجھ پڑا۔ تو مار کھائے گا۔ وہ ان باتوں میں سے کوئی بھی نہ کرتا۔ اور چلتے چلتے پلٹ کر یہ کہدیتا۔ بزدل میں ہوں کہ تم جو دس بارہ میرے پیچھے پھر رہے ہو۔ ٹھیک ہے میں ہی بزدل ہوں۔ آخر کار وہی Little Corsican جسے فرانس کے لڑکے "چھوٹا کارسیکن" "بزدل کارسیکن" "حقیر کارسیکن" کہتے تھے۔ سارے ملک کا بادشاہ ہو گیا بلکہ شہنشاہ بن گیا ؛

تم سب کچھ کر سکتے ہو

پس یہ مت خیال کرو۔ کہ تم کچھ کر نہیں سکتے۔ یہ خیال انسان کو تباہ کر دیتا اور ناکارہ بنا دیتا ہے۔ تم اس خیال کو پاس بھی نہ بھٹکنے دو۔ کہ تم کچھ کر نہیں سکتے بلکہ ہر وقت یہی سمجھو۔ کہ تم سب کچھ کر سکتے ہو۔ لیکن خدا کی مدد و نصرت کے ساتھ۔ پس ہر وقت ایاکَ نعبد و ایاکَ نستعین پر دھیان رکھو۔ کہ اے مولا! تیری بندگی تو کر سکتے ہیں۔ لیکن تیری مدد کے ساتھ۔ اور ہر حال میں اسی سے مدد مانگو اور اس کی عبادت کرو ؛

خدا کی مدد کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا

ہمارے بچوں کو چاہیئے۔ کہ وہ یقین کریں کہ ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی یقین رکھیں۔ کہ اللہ تعالےٰ کی مدد کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔ پس کام کرو اور یقین رکھو۔ کہ ہمیشہ خدا کی طرف سے مدد ہوتی ہے۔ میرے نزدیک ایک چھوٹا بچہ بھی ملکوں کو صداقت پہنچا سکتا ہے۔ بشرطیکہ لوگ ماننے کے لئے تیار ہوں۔ کوئی کہے گا یہ تو مشکل ہے۔ کہ لوگ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ مگر ایسے آدمی کو سوچنا چاہیئے۔ کہ جب بات کہی نہ جائے۔ یہ کیسے کہا جا سکتا ہے۔ کہ کوئی مانیگا [illegible] نہیں چاہیئے کہ جو کچھ کہنا ہے۔ کہہ دو۔ اور اللہ تعالےٰ سے مدد و نصرت مانگو۔ وہ آپ ہی دلوں کو اس طرف جھکا دیگا اور ایسے لوگ پیدا کر دے گا۔ جو ماننے والے ہونگے۔ پہلے نیت پیدا کرو۔ اور پھر اس نیت سے جو کرو گے وہ ہو جائے گا ؛

مخالفت کی پرواہ نہ کرو

پھر ہمارے بچوں کو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ جن لوگوں نے کچھ کرنا ہوتا ہے۔ وہ مخالفتوں کی پرواہ نہیں کیا کرتے وہ اپنا کام کئے جاتے ہیں۔ اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ مخالفت کے درمیان ہی موافقت پیدا ہو جاتی ہے۔ تم بھی مخالفتوں کی پرواہ ہرگز نہ کرو۔ اور کام کرنے کا احساس پیدا کرو۔ ہندو اپنے بچوں میں یہ احساس پیدا کراتے ہیں کہ اپنی قوم کو فائدہ پہنچانا ہر موقعہ پر مدنظر رہے۔ اس لئے ان کے لڑکے چھوٹی چھوٹی عمر میں بھی بعض دفعہ ایسے کام کرتے ہیں۔ جو دوسرے بچوں کو حیرت میں ڈالنے والے ہوتے ہیں۔ لیکن بڑے ہو کر تو وہ سب کچھ اپنی قوم کے لئے کر گذرتے ہیں۔ اور ہر طرح اپنی قوم کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ لیکن ایک مسلمان کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ ڈرتا رہتا ہے۔ کہ اگر میں کوئی ایسی بات کروں گا۔ تو شاید میری مخالفت ہو۔ اگر میں نے اپنی قوم کو فائدہ پہنچانے کے لئے کچھ کیا۔ تو معلوم نہیں لوگ کیا کرینگے اس قسم کے خیالات سے وہ قوم کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ بات یہ ہے۔ کہ جو شخص ارادہ کرے۔ کہ میں نے فلاں کام کرنا ہے۔ وہی کچھ کر سکتا ہے۔ ایک ہندو اپنی قوم کے لئے کچھ کرتا ہے تو اسے کیا لوگ منہ میں ڈال لیتے ہیں۔ یا وہ نوکری سے برخواست کر دیا جاتا ہے۔ جو مسلمان ایسے کاموں سے ہچکچاتے ہیں۔ باوجود کچھ نہ کرنے کے بھی یہ باتیں ان کے پیش آ جاتی ہیں اور یہ اس بزدلی کا نتیجہ ہے۔ جو شروع میں ہی کام نہ کرنے کے لئے پیدا ہو جاتی ہے۔ اسلئے تم اگر نیت کرو گے تبھی زندگی میں کوئی ایسا دن آئے گا۔ کہ تم کچھ کر سکو گے۔ ورنہ بڑے ہو کر تمہاری فطرت مر جائیگی ؛

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب فوت ہوئے۔ تو مخالفت حد سے بڑھ گئی۔ حتّٰی کہ جماعت کے بعض بڑے بڑے لوگ بھی گھبرا گئے۔ کہ اب کیا ہو گا۔ مگر میں نے اسی وقت یہ عہد کیا تھا۔ کہ خدایا اگر ساری کی ساری جماعت بھی مرتد ہو جائے گی۔ اور میں اکیلا رہ جاؤں گا۔ تو بھی میں اس صداقت کو پھیلاؤں گا۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لائے۔ اس وقت میری عمر انیس سال کی تھی۔ اب تم میں بہت سے لڑکے اسی عمر کے ہیں۔ ذرا اپنے دلوں کو ٹٹولیں۔ کہ کیا ان میں بھی یہ ارادہ۔ یہ عزم۔ یہ احساس اور یہ نیت پائی جاتی ہے۔ اگر نہیں تو اس کو پیدا کرنا چاہیئے۔ اور کام کرنا چاہیئے ؛

عجب اور تکبر سے بچو

لیکن شرط یہ ہے۔ کہ عجب اور تکبر نہ ہو۔ بلکہ اخلاص اور بلند حوصلگی ہو۔ تم ارادہ کرو۔ کہ ہمیں سب کچھ کرنا ہے۔ اور یہ نہ خیال کرو۔ کہ ہم نے یہ کیا ہے۔ اگر ایسا ارادہ نہ کرو گے۔ تو کبھی کچھ نہ کر سکو گے۔ عجب اور بلند حوصلگی میں یہی فرق ہے کہ جس نے کام کیا۔ اور کر کے یہ کہا۔ کہ میں نے یہ کیا۔ اور وہ کیا۔ اس نے عجب کیا۔ لیکن بلند حوصلہ شخص کام کر کے بھی یہی کہتا ہے۔ کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔ مگر سب کچھ کرتا ہے۔ گویا تکبر اور عجب کرنے والا ماضی کی باتیں کہتا ہے۔ اور کام کرنے والا مستقبل پر نظر رکھتا ہے۔ تم بلند حوصلہ بنو۔ اور بلند حوصلگی سے کام کرو۔ مگر عجب اور کبر کو پاس نہ بھٹکنے دو ؛

اخلاق فاضلہ سیکھو

دوسری بات جو میں کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔ کہ سب سے اوّل اخلاق فاضلہ سیکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ جس طرح بڑوں کے لئے ضروری ہیں۔ اسی طرح بچوں کے لئے بھی ضروری ہیں۔ انہیں حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اخلاق فاضلہ میں یہ بھی داخل ہے۔ کہ گالی نہ دینا۔ برے کام نہ کرنا۔ کسی پر ظلم نہ کرنا۔ کسی سے بے ادبی سے پیش نہ آنا۔ تمہیں ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے ؛

کسی کام کو ذلیل نہ سمجھو

پھر میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ ہمارا ملک ذلیل سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کے ذلیل ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے۔ کہ لوگ سمجھتے ہیں۔ کہ کوئی کام کرنے والا ذلیل ہوتا ہے۔ لیکن یورپ کے بڑے بڑے آدمی ادنےٰ ادنےٰ کام اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں۔ میں جب انگلینڈ گیا۔ تو وہاں ایک بڑا آدمی مجھ سے ملنے کے لئے آیا۔ تحفہ کے طور پر میں نے اسے چند کتابیں دیں۔ اور ایک آدمی سے کہا۔ کہ سواری تک لے جا کر دے۔ مگر اس نے اصرار کے ساتھ خود اٹھا لیں۔ ہمارے ملک میں اگر بڑے آدمی کو کتابیں دی جائیں۔ تو اول تو وہ نہ لینے کے لئے کوئی بہانہ بنائے گا۔ کہ پھر منگوا لونگا۔ اور اگر لے بھی لے۔ تو بہت برا منائے گا۔ مگر یورپ میں یہ بات نہیں۔ وہاں بڑے بڑے لوگ بنڈل خود اٹھاتے۔ اور اس میں کوئی عار نہیں سمجھتے ؛

تو ہمارے ملک میں یہ بڑا نقص ہے۔ اور اس کی وجہ صرف یہی ہے۔ کہ والدین ان باتوں کی عادت بچپن میں نہیں ڈالتے۔ اور پھر بیرونی اثرات سے محفوظ رکھنے کی بھی کوشش نہیں کرتے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں ابھی بچہ ہے۔ بڑا ہو گا تو آپ ہی سیکھ جائیگا۔ اور خود بچے بھی یہی خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ یہی وقت ہوتا ہے جب بچہ کو آئندہ کے لئے تیار کیا جا سکتا ہے۔ جسے بعض والدین لاڈ پیار میں گنوا دیتے ہیں۔ پچھلے زمانہ میں والدین جب استاد کے سپرد کرتے تھے۔ تو ساتھ ہی استاد سے کہدیتے تھے

اس کی ہڈیاں ہماری اور گوشت پوست تمہارا جس کا مطلب یہ ہوتا تھا۔ کہ ہڈی نہ ٹوٹے باقی جتنی سزا تم چاہو دو۔ گو میں یہ نہیں کہتا۔ کہ یہ اچھی بات تھی۔ یہ تو بچے پر ظلم تھا۔ لیکن کم از کم اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمانہ میں والدین اپنی اولاد میں اچھی باتیں پیدا کر جانے کے بہت خواہشمند ہوتے تھے۔ وہ اس بات کی پرواہ نہ کرتے تھے کہ ان کے بچے کے ساتھ استاد کیا سلوک کرتا ہے۔ بلکہ وہ یہ بات چاہتے تھے۔ کہ ان کے بچے میں محنت مشقت کی عادت پڑے۔ اور یہ اچھی عادتیں اور عمدہ باتیں سیکھ جائے اسلئے وہ اس قسم کی بات استاد سے کہہ دیتے تھے۔ جیسے بعض استاد عملی طور پر پورا بھی کرتے۔ ہمارے رشتہ داروں میں سے ایک لڑکا تھا۔ اسے جب استاد کے سپرد کیا گیا۔ تو استاد نے دوسرے لڑکوں کے ساتھ اسے بھی ایک رمبا دیدیا اور لڑکوں کے ساتھ گھاس کھودنے کے لئے بھیجدیا۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ میں اسے پسند نہیں کرتا۔ مگر میں یہ بھی پسند نہیں کرتا۔ کہ لڑکے اخلاق فاضلہ نہ سیکھیں۔ یا کام سے جی چرانے کی عادت اختیار کریں۔ انہیں چاہیئے اچھے اور عمدہ اخلاق سیکھیں۔ اور جو کام ہو سکے اپنے ہاتھوں سے کرنے کی مشق کریں۔ اور ہر حال میں عمدہ نمونہ بنکر دکھائیں ؎

اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرو

ہمارے ہاں اسٹیشنوں پر قلی ہوتے ہیں۔ جن سے لوگ کام لیتے ہیں۔ اور خود اپنا چھوٹا موٹا اسباب اُٹھانا بھی ہتک سمجھتے ہیں۔ لیکن میں نے اپنے سفر یورپ میں دیکھا ہے۔ کہ یورپ میں کوئی قلی نہیں ہوتا۔ امریکہ کا ایک آدمی میرے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ اس کا تمام خاندان اس کے ساتھ تھا۔ اس سفر پر ان کا دو لاکھ روپیہ کے قریب خرچ ہو چکا تھا۔ فسٹ کلاس میں سب لوگ سفر کر رہے تھے۔ اور ابھی کئی ملکوں میں انہوں نے پھرنا تھا۔ مگر باوجود اسکے سب کام اپنے آپ کرتے تھے۔ کسی جگہ انہوں نے یہ نہیں کیا۔ کہ کسی قلی کا انتظار کریں۔ یا کسی کو مدد کے لئے بلائیں۔ بلکہ اپنا اسباب آپ اٹھاتے۔ اور خوشی کے ساتھ ان کے چھوٹے بڑے سب کام کرتے ؎

بچوں کے لئے بچپن کا زمانہ سیکھنے کا ہے۔ اس لئے اس میں ہر بات سیکھو۔ خود اپنا کام آپ کرنے کی مشق کرو۔ اور دوسروں کی مدد ڈھونڈنے سے حتی الوسع بچو۔ تاکہ تمہیں کام کرنے کی عادت پڑے۔ اگر کام کرنے کی عادت نہ ہو۔ تو کسی ایسے موقعہ پر جبکہ تمہیں خود ہی کام کرنا پڑے۔ تم کچھ نہیں کر سکو گے مثلاً کوئی غریب بڑا ہے۔ وہ چل نہیں سکتا۔ یا اسے کوئی اور تکلیف ہے۔ وہ کسی کام کے کرنے سے مجبور ہے۔ اب اگر کسی لڑکے کو خود کام کرنے کی عادت نہیں۔ تو وہ اس کی کچھ مدد نہیں کر سکیگا۔ اور ایسا ہی اگر اسکو محنت اور مشقت کی عادت نہیں اور اسے کوئی کام خود کرنا پڑ گیا ہے۔ تو وہ اپنی مدد کے لئے بھی اِدھر اُدھر دیکھتا رہے گا۔ اور کوئی آدمی ہے! کوئی آدمی ہے؟ کی آوازیں لگائے گا۔ لیکن اگر اسے کام کرنے کی عادت ہے۔ اور محنت و مشقت کو برداشت کر سکتا ہے۔ تو وہ کسی کی انتظار نہیں کریگا۔ اور کسی کی مدد کا منتظر نہیں رہے گا۔ بلکہ فوراً سب کام خود ہی کریگا۔

ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا۔ کچھ دوائیوں کا کام تھا اور کوئی دوائی دوسری جگہ سے لانی تھی۔ آدمی ذرا آسودہ حال تھا۔ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی نے دریافت فرمایا۔ کیا دیکھتے ہو۔ کہنے لگا۔ کسی آدمی کو دیکھتا ہوں۔ کہ مجھے وہ دوائی لا دے۔ لیکن مجھے کوئی آدمی نظر نہیں آتا۔ اسپر آپ نے فرمایا۔ تھوڑی دیر کے لئے تم ہی آدمی بن جاؤ۔ غرض ہمارے ملک میں جو امیر ہوتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو آدمی سے کچھ اوپر سمجھتے ہیں۔ تم خود کام کرو۔ اور یہ مت سمجھو کہ بڑے آدمی کے بیٹے ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کہیں باہر جاتے تھے۔ تو خود کھانے پکانے میں حصہ لیتے تھے۔ میں بھی ایسا ہی کرتا ہوں۔ جب کبھی باہر جاتا ہوں۔ تو اپنے حصہ کا کچھ کام آپ بھی کرتا ہوں۔ لیکن لوگ اسے ہتک سمجھتے ہیں۔ بچوں کے لئے ان باتوں کو آسودہ حال ہونے کے سبب چھوڑ دینا یا کسی اور وقت سیکھنے کے خیال سے موجودہ زمانہ میں ان کی طرف متوجہ نہ ہونا ہرگز درست نہیں۔ کیونکہ ہر ایک کام کے لئے ایک وقت ہوتا ہے۔ اور جب وقت گذر جائے تو پھر مشکل ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس زمانہ سے پہلے عادت ڈالو۔ تا تمہیں ضرورت کے موقعہ پر کسی کام کے کرنے سے ہچکچاہٹ نہ پیدا ہو۔ اور کوئی تکلیف نہ ہو۔

ہر موقعہ پر نوکروں سے کام لینے کی عادت مت ڈالو میں نے دیکھا ہے۔ بڑے بڑے لوگ جنہیں نوکروں سے کام لینے کی عادت ہوتی ہے۔ جب یہاں آتے ہیں۔ تو انہیں تکلیف ہوتی ہے۔ نوکر ساتھ نہیں ہوتے۔ خود وہ کچھ کر نہیں سکتے پس تم نوکروں سے یا دوسروں سے کام کروانے کی بجائے خود کام کرنے کی عادت ڈالو۔ کیونکہ بغیر اس کے انسان کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر کہیں اسے کام کرنا پڑ جاتا ہے۔ تو کر نہیں سکتا اور یہ ظاہر ہے۔ کہ کامیابی بغیر کام کرنے کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور دوسرے اخلاق فاضلہ میں سے کام کرنا بھی ہے۔ اس لحاظ سے بھی اس کا عادی ہونا چاہیئے۔

زبان کو روکو

پھر میں جہاں تمہیں کام کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں ہلانے کے لئے کہتا ہوں وہاں یہ بھی کہتا ہوں۔ کہ زبان کو روکو۔ ہمارے ملک میں دستور تھا۔ اور بہت اچھا دستور تھا کہ بڑے آدمی کی تنبیہ کا چھوٹا جواب نہ دے۔ لیکن اب اگر کسی لڑکے کو اس طرح جواب دینے سے روکا جائے۔ تو وہ کہدیتا ہے۔ فلاں ہمارا کیا لگتا ہے۔ جو ہم جواب نہ دیں۔ میں بتاتا ہوں۔ وہ تمہارا کیا لگتا ہے۔ وہ تمہارا استاد لگتا ہے یہ زبان یہ عادات۔ یہ اخلاق سب قومی ہیں۔ اور تم نے ان سے ہی سیکھے ہیں جو تم سے بڑے ہیں پس جتنے بڑے ہیں۔ وہ تمہارے استاد ہیں۔ کیونکہ جو کچھ تم سیکھ رہے ہو ان ہی سے سیکھ رہے ہو تو ان کو استاد سمجھ کے ان کی عزت کرو۔ نہ صرف ہندو اور سکھ۔ بلکہ چوہڑا بھی اگر تم سے بڑی عمر کا ہے۔ تو اس کی بھی عزت کرو۔ کیونکہ بیسیوں باتیں ایسی ہیں۔ جو تم بڑوں سے سیکھتے ہو۔ ان کی عزت کرو۔ اور اپنی زبان کو روکو تا کوئی بری بات یا بے عزتی کا کلمہ اس سے نہ نکلے۔

بعض دفعہ لڑکوں کی آپس میں کوئی بات ہو جاتی ہے جو بڑھ جاتی ہے۔ اور ایک دوسرے کو دق کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ حتےٰ کہ لڑنے لگ جاتے ہیں ایسے موقعہ پر جب کوئی لڑکا کسی کو تنگ کر رہا ہو۔ تو دوسرے لڑکے تنگ کرنے والے کو روکنے کی بجائے اُلٹے مظلوم پر ہنسینگے پھر یہی نہیں۔ بلکہ ظالم سے کہیں گے۔ "اک ہور لا" یعنے اور ایک تھپڑ مارو۔ ولایت میں ایسا لڑکا (Bully) بُلی کہلاتا ہے۔ جو لڑکوں کو چھیڑے اور ناحق تنگ کرے۔ اور ایسے لڑکے کے پیچھے سکول کے تمام لڑکے پڑ جاتے ہیں۔ اور اُسے بُلی بُلی کہہ کے اتنا تنگ کرتے ہیں۔ کہ مجبور ہو کر اُسے یا اپنی اصلاح کرنی پڑتی ہے یا سکول چھوڑنا پڑتا ہے۔ ان کے ہاں مظلوم کی مدد کی جاتی ہے۔ اور ظالم کی نہیں۔ لیکن ہمارے ہاں ظالم کی مدد کی جاتی ہے۔ اور مظلوم کی نہیں۔

حدیث میں آتا ہے۔ تو اپنے بھائی کی مدد کر۔ خواہ وہ ظالم ہے۔ خواہ مظلوم۔ صحابہ نے حیرانی سے پوچھا یا رسول اللہ۔ ظالم کی کیسے مدد کیجاسکتی ہے۔ فرمایا۔ اگر وہ ظالم ہے تو اسکے ہاتھ کو ظلم سے روکو۔ ظالم کی یہ مدد ہے کہ ظالم کو ظلم سے بچاؤ ؎

تمہارے سامنے اگر بڑے چھوٹوں پر ظلم کریں۔ تم ان کو روکو۔ امیر غریبوں پر زیادتی کریں۔ تو ان کو روکو۔ بادشاہ ہونے کی صورت میں بھی تو تو ہی کچھ کیا جا سکتا ہے۔ جب بادشاہ نہ ہونے کی صورت میں ایسا کرنے کی عادت ہو پس تم ایسی عادتیں ڈالو۔ اور کسی کو دوسرے پر ظلم مت کرنے دو *

ہنسی اور تمسخر مت کرو

پھر میں ایک اور بات کی طرف بھی بچوں کو توجہ دلاتا ہوں۔ بے شک ہنسی ایک حد تک جائز ہے لیکن تمسخر جائز نہیں میرے پاس ایک لڑکے کا جھگڑا آیا ہے۔ اس نے نماز پڑھتے ہوئے کسی لڑکے کو چھیڑا تھا۔ اس جرم کی سزا میں اُستادوں نے چار بید اس کو لگوائے۔ اور میں اُسے جسے چھیڑا تھا۔ میں نے چھیڑنے والے کے متعلق سمجھا کوئی اور ہو گا جسے میں جانتا ہوں۔ وہ نہیں ہو گا جب مجھے پتہ لگا۔ کہ یہ وہی ہے۔ جس کے متعلق میرا خیال تھا کہ وہ ایسی شرارت نہیں کر سکتا۔ تو مجھے حیرت ہوئی۔ کہ ایسے خاندان کا لڑکا جو مخلص ہے۔ اور جس کے سارے ممبر مخلص ہیں۔ ایک ایسی شرارت کرے۔ جو پرلے درجے کی کمینہ شرارت ہے۔ وہ گو میرے پاس کم آتا جاتا ہے اُسے شاید خیال ہے۔ کہ میں اُسے نہیں جانتا۔ لیکن اس کی کم سے کم بھی شکل شناخت کرتا ہوں۔ اس نے ایسی بیجا اور کمینہ حرکت کی ہے۔ جو نہایت ہی قابل ملامت ہے

بازی بازی با ریش بابا ہم بازی

کھیل تو کھیل تھی ہی نماز سے بھی کھیل شروع ہو گئی ہے نہیں سمجھتا۔ کہ وہ لڑکا اپنے باپ کی ڈاڑھی کے ساتھ بھی کھیلے گا۔ یہ تمسخر اور ناجائز ہنسی کی عادت کا نتیجہ ہے کہ وہ بڑھتے بڑھتے اب خدا کی عبادت پر بھی ہنسی مخول کرنے سے نہ رکا۔ ابتداء میں افسروں نے کچھ لحاظ کیا جس سے وہ بڑھ گیا تمسخر اور ہنسی انسان کے ایمان کو خراب کر دیتی ہے اگر فوراً اس کی گوشمالی ابتداء ہی میں کر دی جاتی۔ اور اسے شروع ہی میں روکا جاتا۔ تو وہ ایسی بیجا حرکت نہ کرتا اور اگر والدین یا اُستاد سمجھدار ہوتے۔ تو اس کی ایسی حرکات پر نہ کوئی رعایت کر سکتا۔ اور نہ چشم پوشی سے کام لیتا بلکہ قرار واقعی اس کو سزا دی جاتی۔ اور سامنے کے سارے سکول کے لڑکے اگر اسکے برخلاف ہو جاتے۔ اور اسے تنگ کرتے۔ تو وہ سمجھ جاتا۔ اور پھر آئندہ ان حرکات کا مرتکب نہ ہوتا *

لوگ کسی کی رعایت ڈر کے مارے کرتے ہیں۔ اور اُستاد بھی کسی لڑکے کے شرارت کرنے پر بھی صرف اس لئے چپ رہتے ہیں کہ بڑے آدمی کا لڑکا ہے۔ لیکن اگر دوسری طرف سے بھی بڑی طاقت کھڑی ہو جاتی ہو تو پھر وہ ڈر کے مارے انصاف کرتے ہیں۔ پس یہاں میں بڑوں کو کہتا ہوں کہ وہ انصاف اور رعایت انصاف اور رعایت کے اصول کی بناء پر کریں۔ وہاں ہی میں چھوٹوں کو نصیحت کرتا ہوں۔ کہ وہ ہنسی اس حد تک نہ کریں۔ کہ ناجائز ٹھہر جائے کیونکہ یہ ایک بُری بات ہے۔ اور تمسخر کی عادت نہ ڈالیں۔ کہ یہ بیجا فعل ہے *

والدین کی اطاعت کرو

پھر میں یہ بھی نصیحت کرتا ہوں کہ والدین کی خدمت اور اطاعت کرو۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں جنت ماں باپ کے قدموں کے نیچے ہے۔ پس اس جنت کے لینے کی کوشش کرو۔ اور اس جنت کا لینا یہی ہے۔ کہ ماں باپ کی خدمت اور اطاعت کیجائے آج کل بچوں میں یہ بات بہت کم پائی جاتی ہے *

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ہندو کا قصہ سُنایا کرتے تھے۔ اس نے جو کچھ کہ اسکے پاس تھا خرچ کر کے اپنے لڑکے کو پڑھوایا۔ اور سمجھا۔ کہ اس کی کمائی کھاؤں گا۔ وہ لڑکا تعلیم پا کر ڈپٹی ہو گیا۔ ایک دفعہ اس کا باپ اس سے ملنے گیا *

ہندو غلیظ تو ہوتے ہی ہیں۔ اور پھر پرانے زمانہ کے ہندو تو غلیظ ہونے میں مشہور ہی تھے۔ اور پھر ان میں سے بھی جو غریب آدمی ہوں۔ ان کی غلاظت تو حد سے بڑھی ہوتی ہے۔ اس ڈپٹی کے باپ کے کپڑے بھی میلے کچیلے اور غلیظ تھے۔ پگڑی۔ کرتہ سب گندہ۔ دھوتی بھی پھٹی پرانی اور میلی۔ جسے پسینہ کی بدبو نے اور بھی بدبودار کر دیا تھا۔ باپ جس نے بڑی محنت سے اور سب کچھ خرچ کر کے اسے پڑھایا تھا۔ اس حالت میں اسے ملنے گیا۔ اور اندر جا کر ایک کرسی پر جا بیٹھا *

آج کل تو لوگ ڈپٹی کو معمولی سمجھتے ہیں لیکن پچاس سال پہلے ڈپٹی ایک اچنبھا ہوا کرتا تھا۔ لوگ اسے دیکھنے آیا کرتے تھے۔ اگر ڈپٹی صاحب کا گذر کسی گاؤں سے ہو جاتا۔ تو اردگرد کے دیہات کے لوگ بھی دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے۔ کہ دیکھیں ڈپٹی کیا ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک ڈپٹی شاید انسان نہیں رہتا تھا۔ بلکہ انسان سے بڑھکر کچھ اور ہو جاتا تھا۔ اس زمانہ میں جب اس ڈپٹی کا باپ اسے ملنے آیا۔ تو اس وقت اس کے پاس شہر کے رؤسا اور امراء اور عمائدین بیٹھے تھے۔ اور اردگرد یار بھی اس کے جمع تھے۔ اس کے میلے کچیلے اور گھن دار کپڑے دیکھکر ان کو بہت کراہت پیدا ہوئی۔ اور کسی نے کہدیا یہ کون ہے۔ جو یہاں آگھسا ہے۔ یہ سُنکر ڈپٹی صاحب نے سوچا۔ یہ کہنے میں میری ہتک ہو گی۔ کہ میرا باپ ہے اسلئے اس نے کہدیا۔ کہ یہ ہمارا ٹہلیا ہے۔ چونکہ اس نے مجھے بچپن میں کھلایا ہے۔ اس لئے بے تکلف ہو گیا ہے۔ یہ سُنکر اس کے باپ نے گالی دیکر بتایا کہ میں اس کا باپ ہوں۔ اسپر لوگوں نے ڈپٹی صاحب کو ملامت کی۔ اور بجائے عزت کے ذلت کرنی شروع کر دی۔ تو بچو تم خواہ کسی حالت میں ہو جاؤ۔ ماں باپ کی عزت ہمیشہ ملحوظ رکھو۔ اور ان کے احترام میں فرق نہ آنے دو۔ بچہ جب پڑھکر جاتا ہے۔ تو بات بات پر اپنی لیاقت جتاتا ہے ماں اَن پڑھ ہوتی ہے۔ اب وہ کیا جانے۔ زمین گول ہے یا چپٹی۔ وہ جب بچہ سے کئی باتیں سنتی ہے۔ تو رعب میں آجاتی ہے۔ اور سمجھتی ہے کہ ہمارا بچہ بہت پڑھ گیا ہے لیکن یہ پڑھنا کوئی پڑھنا نہیں۔ کہ دو ایک جماعتیں پاس کر لیں۔ یا ایک آدھ سیپارہ ختم کر لیا۔ میرے پاس عورتیں آتی ہیں۔ اور اپنے بچوں کے متعلق کہتی ہیں۔ کہ ان کی نوکری کا بندوبست کرو۔ وہ بہت پڑھ گیا ہے۔ لیکن جب پوچھا جاتا ہے۔ کتنا پڑھ گیا ہے۔ تو کہدیتی ہیں کہ قرآن شریف فرفر پڑھ لیتا ہے۔ اور اگر کسی نے اور زیادہ کہا۔ تو یہ کہدیا کہ اُردو کی دوسری اور تیسری کتاب پڑھتا ہے۔ مگر یہ کوئی تعلیم نہیں اور نہ اس سے تعلیم حاصل کرنے کا مقصد حاصل ہوتا ہے پس تم پڑھو۔ اور خوب محنت کر کے پڑھو لیکن ماں باپ کی عزت کرو۔ یہ نہ ہو۔ کہ تم تعلیم حاصل کر کے ماں باپ کی بے ادبی کرنیوالے بن جاؤ *

کچھ اور ضروری باتیں

پھر میں یہ بھی نصیحت کرتا ہوں۔ نماز پڑھو۔ اور اسمیں سستی نہ کرو دینی کتب پڑھو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابیں پڑھو۔ تم میں سے بہت ایسے ہیں۔ جو دس بیس روپیہ مہینہ کی مٹھائی کھا جاتے ہیں۔ اگر تم دو روپے سال کے حساب سے بھی حضرت صاحب کی کتابیں خرید کر ساتھ لے جاؤ۔ تو دس سال میں تمہارے پاس بہت سی کتابیں جمع ہو سکتی ہیں ان کتابوں میں علم اور روحانیت کا بہت ذخیرہ جمع ہے۔ جو ہر وقت تمہارے کام آسکتا ہے۔ حضرت صاحب کی ساری تعلیم ان کتابوں میں موجود ہے پس تم ان کو پڑھو کہ یہ بہترین استاد ہیں *

تعداد کے لحاظ سے یہ نصیحتیں گو تھوڑی ہیں لیکن عمل کے لحاظ سے بہت ہیں۔ ان پر عمل کرو۔ اور اس کے بعد کچھ دعا کر لو تا خدا

...تم پر بھی اور تمام دوسرے لوگوں پر بھی رحم فرمائے اور مدد کرے۔ اسکے بعد حضور نے دعا فرمائی *

(منشی عبدالرحمٰن صاحب کشمیری قادیانی رنگریز و سلسلہ نے خبار الاسلام ریلیو قادیان [illegible] چھاپکر مالکان کے لئے قادیان سے شائع کیا)